# مقالات شبلی

## جلد اول



علامہ شبلی نعمانیؒ

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی پوسٹ باکس نمبر ۱۹ - اعظم گڈھ (ہند) ۲۷۶۰۰۱

# مقالات شبلی

## جلد اول (مذہبی)

مولانا شبلی نعمانیؒ کے تمام مذہبی مضامین کا مجموعہ جن کو
مختلف رسالوں اور اخباروں سے یکجا کیا گیا ہے۔

دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (ہند) ۲۷۶۰۰۱

سلسلہ دارالمصنفین نمبر: ۳۸

کتاب : مقالات شبلی حصہ اول

مصنف : علامہ شبلی نعمانیؒ

صفحات : ۲۳۶

جدید اڈیشن : ۱۹۹۹ء

مطبع : معارف پریس، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (ہند)

ناشر : دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (ہند)

قیمت :

باہتمام

عبدالمنان ہلالی

☆☆☆☆

# پہلی فصل

## محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی

تلمسان کے ایک طالب العلم سے میں مذہبی مباحثات کیا کرتا تھا، وہ جب مناظرہ سے گریز کرنا چاہتا تھا تو کہتا تھا کہ عیسائی تو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کی اولاد ہے اور محمدؐ جادوگر تھے، اس کے یہ الفاظ حقارت سے لبریز ہوتے تھے، جس طرح کسی بت پرست سے اس کی حالت پر ترس کھاکر خطاب کیا جائے، حالانکہ یہ طالب العلم میرا بہت ادب کرتا تھا اور مجھ سے بہت دوستانہ تعلقات رکھتا تھا، اس کا خیال تھا کہ جس طرح محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساحر ہونا، افترائے محض ہے، اسی طرح تثلیث کا اعتقاد بھی محض تہمت ہے اور یہ کہ ایسی قوم سے جو اس قسم کی لغو باتوں کے قائل ہوں گفتگو کرنا بھی عبث ہے۔

لیکن اگر مسلمانوں کو وہ قصے معلوم ہوں جو عیسائیوں میں قرون وسطی کے زمانہ میں مشہور تھے اور ان گیتوں سے اطلاع ہو جو عیسائیوں میں گائے جاتے تھے تو معلوم نہیں مسلمانوں کو کس قدر حیرت ہوگی، بارہویں صدی عیسوی کے قبل تک جس قدر گیت ہم لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے گویا سب ایک دماغ کے نتیجے تھے، یہی گیت ہیں جن کی بدولت کروسیڈ کی لڑائیاں برپا ہوئیں، ان سب کا موضوع مسلمانوں سے سخت تنفر پیدا کرنا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کے مذہب سے لوگ بالکل جاہل تھے، انھیں گیتوں نے ان بے ہودہ روایتوں کو دلوں میں راسخ کردیا اور انھیں کی بدولت یہ غلط فہمیاں قائم ہوگئیں، جن میں سے اکثر آج بھی قائم ہیں۔

ان گیتوں کے گانے والے عموماً یقین رکھتے تھے کہ مسلمان مشرک اور بت پرست ہیں اور وہ تین خدا کے قائل ہیں، جن کے درجے مختلف ہیں، ایک کا نام

ماہوم یا ماہون یا بافومید یا ماہومید ہے، دوسرا ابلین، تیسرا ترفاجان، ان لوگوں کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دین میں اپنے آپ کو بھی خدا قرار دیا تھا۔ لطف یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (جو درحقیقت بت کے دشمن اور بتوں کے برباد کرنے والے تھے،) نے اپنی صورت کا ایک زرین بت بنایا تھا اور لوگوں سے اس کی پوجا کراتے تھے، جیسا کہ لرلو قنجیون کا اعتقاد تھا، یہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ جب عیسائیوں نے مسلمانوں پر فتح پائی اور ان کو سرقوسطہ کی دیوار تک ہٹا لے گئے تو مسلمانوں نے جاکر اپنے تمام بت جن کو وہ پوجتے تھے، توڑ ڈالے، چنانچہ عہد وسطی کے ایک منشد کا بیان ہے کہ مسلمانوں کا خدا ابلین ایک غار میں تھا، مسلمانوں نے اس پر پتھر برسائے اور خوب دل کھول کر اس کو گالیاں دیں، پھر سولی پر چڑھایا اور خوب پامال کیا اور مارے ڈنڈوں کے اس کے ریزے ریزے کر دیے۔

ماہومد کو جو دوسرا خدا تھا، ایک گڑھے میں پھینک دیا، یہاں تک کہ سؤر اور کتے اس کو نوچتے اور روندتے تھے، اس طرح کی اہانت کبھی کسی خدا کی نہیں ہوئی تھی، لیکن مسلمانوں نے پھر توبہ کی اور اپنے خداؤں سے معافی چاہی اور ان کی مرمت و اصلاح کی، اسی بناپر اسپر کارلوس جب سرقوسطہ میں داخل ہوا تو اس نے حکم دیا کہ یہ سارے بت برباد کردیے جائیں، چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے کہ اسپر نے فرنج کو حکم دیا کہ وہ شہر کے تمام گلی کوچوں میں پھرے اور مسجدوں اور جامع مسجدوں میں گھس کر آہنین گرزوں سے ماہومد اور اور تمام بتوں کو توڑ ڈالے، ریشار نے بھی اپنے اشعار میں یہ روایت بیان کی ہے کہ یہ اشعار فی نفسہٖ بہت اچھے ہیں، لیکن سرتاپا تہمت اور افتراء ہیں، ان میں خدا سے یہ دعا مانگی ہے کہ ماہوم کی پرستش کرنے والے برباد ہو جائیں، پھر شرفائے ملک کو جنگ مقدس کی ترغیب دی ہے اور ان کو ان الفاظ میں نصیحت کی ہے "اٹھو اور ماہومید، ترفاجان کو برباد کردو، ان کو آگ میں ڈال دو اور خدا کے آگے ۲۰ قربانی پیش کرو، ان شعراء کا خیال تھا کہ ماہوم کا بت نہایت اعلیٰ درجہ کی کاری گری کے ساتھ قیمتی پتھروں اور جواہرات سے بنایا جاتا تھا، چنانچہ اگر کوئی شخص

رولان کے اشعار پڑھے تو عجب نہیں کہ قسم کھانے پر تیار ہو جائے کہ شاعر چشم دید واقعات بیان کر رہا ہے ان اشعار میں بیان کیا ہے کہ یہ بت خالص سونے چاندی کے تھے اور اگر تم ان کو دیکھتے تو تم کو یقین آجاتا کہ ان سے بڑھ کر خوبصورت، شاندار، لطیف الصنعۃ، پر رعب ہونا عقل میں نہیں آسکتا، ماہوم بالکل خالص چاندی اور سونے کا بنا ہوا تھا اور اس کی چمک دمک سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں، وہ ایک ہاتھی پر دھرا ہوا تھا، جس کا ہودج اعلیٰ سے اعلیٰ کاریگری کا بنا ہوا تھا، وہ اندر سے خالی تھا اور اس وجہ سے اس کی چمک پھوٹ کر نکلتی تھی، اس میں نہایت قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے اور اس کا اندر کا حصہ چمک کی وجہ سے باہر سے نظر آتا تھا، یہ ایک ایسی کاریگری تھی جو بالکل بے نظیر تھی، چونکہ دیوتاؤں کا قاعدہ ہے کہ مشکل کے وقت وحی بھیجتے ہیں، اس لئے جب مسلمانوں نے ایک معرکہ میں شکست کھائی تو ان کے سردار نے مکہ میں مدد مانگنے کے لئے قاصد بھیجا، اس وقت ان کا دیوتا ماہومد بڑی شان و شوکت سے دمامہ و نقارہ کے ساتھ آیا، جس کی گونج دور دور تک جاتی تھی، بعض بانسری بجاتے آتے تھے اور بعضوں کے ہاتھ میں چاندی کی جھانجھ تھی اور یہ سب کے سب ماہومد کے گرداگرد ناچتے اور بڑے زور سے گاتے آتے تھے، اس ساز و سامان کے ساتھ فرودگاہ میں پہنچے، جہاں خلیفہ اسلام ان کا انتظار کر رہا تھا، جب خلیفہ نے ماہومد کو دیکھا تو نہایت خضوع اور ادب کے ساتھ کھڑا ہوگیا اور بندگی بجا لایا۔

اس کے بعد ریشار نے بیان کیا ہے کہ یہ بت پرست کیوں کر اس مجوف بت سے جس کے اندر کی چیزیں باہر سے نظر آتی تھیں، دعائیں مانگتے تھے، ریشار کا بیان ہے کہ اس بت کے اندر جادوگروں نے ایک عفریت کو بند کیا تھا، وہ اچھلتا کودتا تھا اور پھر اس نے مسلمانوں سے مخاطب ہوکر باتیں کیں۔

عیسائی شعراء اس (فرضی) بت سے نہایت عداوت رکھتے تھے، چنانچہ جس طرح صلیب عیسائیوں کی مذہبی علامت ہے، ان لوگوں نے اس بت کو مسلمانوں کی علامت قرار دیا، چنانچہ بودوان نے یونیتو کے متعلق جو نظم لکھی ہے اس میں لکھا ہے کہ "جب

یونیتو نے سلطان صلاح الدین کے سامنے اسلام قبول کرنا چاہا تو کہا کہ اگر محمدؐ کا بت میرے سامنے لایا جائے تو میں اس کی عبادت بجا لاؤں، چنانچہ جب وہ لایا گیا تو یونیتو سجدہ میں گر پڑا"۔

ایک اور نظم سے جو اسی نظم کا تتمہ ہے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے دو خدا اور بھی ہیں، باراتون اور جوبین، اتنا فرق ہے کہ وہ پہلے تین خدا بہ طور سردار کے ہیں، اس نظم میں بیان ہے کہ جب عیسائی سردار نے مسلمانوں کی فوج کو جو مکہ سے چلی تھی، شکست دی تو مسلمان نہایت بدحواس ہوئے، وہ چیختے چلاتے شور مچاتے دوڑتے پھرتے تھے اور نہایت زور سے پکارتے تھے کہ دہائی ترفان کی دہائی ماہوم کی۔

مع ہذا، ایک اور نظم جو اسی زمانہ کی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماہودا کسی بت کا نام نہ تھا، یہ نظم بشپ الگزنڈر دوبون کی ہے، جو اس نے ۱۲۵۸ء میں لکھی تھی، یہ نظم ایک مسلمان کے خیالات سے ماخوذ ہے، جو عیسائی ہو گیا تھا، تمام لوگ اس نظم کو بالکل سچا اور صحیح تاریخی واقعہ خیال کرتے تھے، اس کا مضمون یہ ہے "یہ امر طے شدہ ہے کہ ..... (۱) کو فریب، خیانت، دھوکا دینا خوب آتا ہے" (نعوذ باللہ) اس کے بعد شاعر نے محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک ایسے سردار سے تشبیہ دی ہے، جس کے گرد اس کے پیرو جمع ہیں اور وہ اپنے مذہب کو سادہ طریقہ سے تعلیم کر رہا ہے، یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر اس سے زیادہ اعتقاد ہو گیا کہ جتنا کہ روما کے امام پر ہوا تھا"۔

ان بے ہودہ اقوال کے نقل کرنے میں میں نے زیادہ تطویل کی جس کی وجہ یہ ہے کہ الگزنڈر مذکور کی تاریخ نے ان بے ہودہ روایتوں کو معدوم نہیں کیا بلکہ ان کا اثر دلوں میں اب بھی موجود ہے اور اسی وجہ سے پیغمبر اسلام اور قرآن کے متعلق آج بھی لوگوں کی نہایت مختلف رائیں ہیں، اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ یہ شعراء، ان قصوں کو

(۱) جہاں جہاں اس طرح کے نقطے دیے گئے ہیں وہاں نہایت بے ہودہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تھے، اس لئے میں ان کو نقل نہ کر سکا۔

کیا در حقیقت سچ سمجھتے تھے تو میں نارمنڈ والوں کی طرح جواب میں ہاں بھی کہوں گا اور نہیں بھی۔ کیونکہ یہ قطعی ہے کہ چونکہ مسلمان اور عیسائی باہم ملتے جلتے رہتے تھے۔ اس لئے مذہب اسلام کی حقیقت سے واقف ہونا مشکل نہ تھا۔ لیکن وہ درحقیقت یہ چاہتے ہی نہ تھے کہ اپنے اشعار میں تاریخی سچے واقعات بیان کریں۔ ان کا مقصد صرف عیسائیوں میں بغض اور نفرت کی روح کا پھونکنا تھا۔ اس لئے ان کو ضرورت تھی کہ مسلمانوں اور ان کے پیغمبر اور ان کے مذہب کے ایسے اوصاف بیان کریں۔ جو ان لوگوں کے مذاق اور معلومات کے موافق ہوں، جن کے سامنے یہ اشعار پڑھے جاتے تھے۔

ان شعراء سے قطع نظر کرکے جب ہم زمانہ ما بعد کی ان متکلمین کی تصنیفات پڑھتے ہیں، جن کی رائیں اعتدال کی طرف مائل ہوتی ہیں تو یہ تصنیفات بھی خرافات اور سب و شتم سے مملو نظر آتی ہیں۔ طرہ یہ کہ گروہ مصلح یعنی پروٹسٹنٹ کا تعصب اور زیادہ بڑھا ہوا ہے، چنانچہ بیلنڈر نے محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو (نعوذ باللہ)........... سے تشبیہ دی ہے اور قرآن و شریعت اسلام کو بھی انھیں لفظوں سے یاد کیا ہے۔ ہم کو اس دعوے پر دلیل لانے کی ضرورت نہیں، بلکہ صرف یہ کہنا کافی ہے کہ ناظرین کو اپنی توجہ ریلان کی کتاب کے دیباچہ کی طرف مبذول کرنی چاہئے۔ یہ کتاب ۱۷۲۱ء میں چھپی ہے اور اس کا موضوع یہ ہے "مذہب اسلام کے متعلق لوگوں کو کیوں بہت کم واقفیت ہے"۔

مصنف مذکور کہتا ہے کہ ارباب بحث کو اگر یہ مقصود ہو کہ کسی مذہب یا طریقہ پر ذلت و عار کا داغ لگائیں تو ان کو صرف یہ کہنا چاہئے کہ وہ مذہب، محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف منسوب ہے۔ بشپ وون مار تینو انفانسو قیتا لدو نے ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام "کلیسائے مقدس ورزین کا چراغ" ہے۔ اس کتاب میں وہ لکھتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کتاب کو پڑھنا نہیں چاہئے۔ بلکہ انسان کا یہ فرض ہے کہ اس کے ساتھ استہزاء کرے اور آگ میں جلا دے۔ اس کو محفوظ رکھنا جانوروں کا کام ہے"۔ بعضوں کی یہ رائے ہے کہ جلانا نہیں چاہئے۔ لیکن ایسے لغو

مزخرفات کے یاد کرنے میں انسان کو اپنا وقت صرف نہ کرنا چاہیے جو ایک ...... آدمی کے خیالات ہیں۔

یہ رائیں تو قرآن مجید اور بانی اسلام کے متعلق ہیں۔ باقی مسلمان تو ان کو ان تصنیفات میں ان الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ پلید، مست، گدھے، خر صحرائی، قابل نفرت وہ لوگ جن کا یہ کام ہے کہ رات کو اپنا گھر عورتوں سے بھر لیتے ہیں اور صبح کو ان کو طلاق دے دیتے ہیں "اور اگر تم کو گالیوں کا خزانہ دیکھنا ہو تو ایک عیسائی کی کتاب دیکھو جس کا نام بروشار ہے۔ اس کتاب کا نام رہنمائے سفر ہے۔ مصنف نے یہ کتاب امیر فلپ ردقالو کی خدمت میں ۱۳۳۲ء میں پیش کی تھی۔ اس میں اس نے بیان کیا ہے کہ کروسیڈ کی لڑائیاں کن اسباب سے ظہور میں آئیں۔ چنانچہ کہتا ہے کہ کون ہے۔ جو یہ دیکھ کر آنسو نہ بہائے گا کہ جو زمین ہماری میراث نہیں۔ ان پر اس قوم نے قبضہ کر لیا ہے۔ جن کے نہ خدا ہے، نہ مذہب، نہ شریعت، نہ اقرار، نہ رحم، یہ لوگ دنی اور کمینہ ہیں اور سچائی اور صفائی، نیکی اور عدل کے دشمن ہیں۔ خدا کے منکر ہیں۔ عیسائیوں پر جبر کرتے ہیں۔ نہایت کثرت سے شادیاں کرتے ہیں۔ لڑکوں سے بدکاری کرتے ہیں، بے زبان جانوروں پر ظلم کرتے ہیں، فطرت انسانی کے مخالف ہیں۔ فضائل کے قاتل ہیں۔ اخلاق کے مار ڈالنے والے ہیں، گناہوں اور برائیوں مستغرق ہیں۔ شیطان کے دوست ہیں، کمینہ باتوں کے حامی ہیں۔ کینہ ور ہیں۔ پست خیال ہیں۔ ان کے افعال مبتذل، زندگی پست، باتیں فحش، معاشرت حقیر اور جانورانہ ہے۔ ان کے ارادے اور حوصلے جب مائل ہوتے ہیں تو صرف حیوانانہ خواہشوں کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہم لوگوں کو ان مقامات سے نکال دیا اور چھوٹی سی جگہ میں بھی جہاں ہم رہتے ہیں، ہم کو ستاتے ہیں۔ ہمارے ساتھ اور ہمارے مذہب کے ساتھ مسخراپن کرتے ہیں۔ انھیں لوگوں نے خدا کے گھر کو برباد کر دیا اور اس پاک شہر پر قابض ہو گئے، جو ہماری شریعت کا فرود گاہ ہے اور ان پاک مقامات کو نجس کر دیا"۔

اس قسم کے خیالات عیسائیوں میں ایک مدت تک پھیلے رہے، یہاں تک کہ اور سیٹ پریڈو نے ۱۷۳۳ء میں ایک کتاب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات میں تصنیف کی اور اس کے دیباچہ میں اس تصنیف کا مقصد یہ بیان کیا، اس کتاب کی تصنیف کا مقصد اس آدمی کی سوانح عمری کے لکھنے کے ذریعہ سے، عیسائی حکیمانہ مقصد کی خدمت گذاری ہے، ان مصنفوں نے درحقیقت اپنا مقصد تاریخ لکھنا نہیں قرار دیا بلکہ اس کا مقصد جیسا کہ خود ان کا بیان ہے، عیسائی مذہب کی خدمت گذاری ہے، یہ لوگ اپنے مبتذل دلائل کی تائید میں جو ہتھیار استعمال کرتے تھے، وہ محض دشنام دہی اور سخت کلامی تھی، اس کے ساتھ، روایت اور نقل میں جس قدر تحریف ہو سکتی تھی کر سکتے تھے، صرف داماسین نے یہ قصد کیا کہ ان عام تصنیفات کی مخالف کرے، جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ شام میں پلا تھا اور خلفائے اسلام کا مقرب تھا، چنانچہ اس نے مذہب اسلام کے رد میں جو کچھ لکھا بلا تعصب لکھا، اس نے یہ رائے ظاہر کی کہ اسلام عیسائی مذہب کی بگڑی ہوئی صورت ہے، جیسا کہ اریوی کا خیال تھا، با ایں ہمہ یورپ پر اس کی تصنیف کا کچھ اثر نہ ہوا اور ان کے جو بیہودہ خیالات پیغمبر اسلام اور قرآن کی نسبت تھے، اسی طرح قائم رہے، پیشوایان مذہب (یعنی پادری اور بشپ وغیرہ) بھی انہی خیالات کو قوت دیتے تھے اور لوگوں کے ذہن میں بٹھاتے تھے، اسی پالٹیکس کا نتیجہ ہے کہ لوگ اسلام کے ساتھ مسخرا پن کرتے ہیں، ان خیالات کی اشاعت نے پوپوں کو مذہبی لڑائیوں سے بے نیاز کر دیا، چنانچہ لاطینی چرچ آٹھویں صدی میں اور کاموں میں مشغول تھا، کیوں کہ شرقی چرچ دو ضرر رساں مصیبتوں میں گھرا ہوا تھا، ایک یہ کہ ایک ہی روح کے دو جسم بن گئے، دوسرے یہ کہ ایک روح تھی اور ایک ہی جسم بھی تھا۔

اسلام کے متعلق آزادانہ اور غیر متعصبانہ بحث ہمارے زمانہ سے آغاز ہوئی، کیوں کہ انیسویں صدی میں لوگوں نے اس مسئلہ کو ایک محقق کی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کے متعلق مختلف رائیں قائم ہو گئیں، کچھ لوگ

قرآن کے فریفتہ ہوگئے اور بعضوں نے نکتہ چینی کی، تاہم اس قسم کے لوگوں میں اب بھی قدیم خیالات کی بو آتی ہے۔ مانسیو دروختی نے عرب کا سفرنامہ ۱۸۸۹ء میں شائع کیا۔ اس میں پیغمبر اسلام کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ...... تھے۔ لیکن ان کو یہ خیال نہیں رہا کہ اب یہ الفاظ کسی دعویٰ کی صحت کے دلیل نہیں ہوسکتے۔

پہلی بحث جو پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رسالت میں سچے تھے یا نہیں۔ حالانکہ ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ امر مستشرقین اور متکلمین سب کے نزدیک مسلم ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس مسئلہ کو قرآن کے منزل من اللہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیوں کہ پیغمبر کی سچائی ثابت کرنے کے لئے صرف اس قدر ثابت کرنا کافی ہے کہ ان کو اپنی نبوت پر پورا یقین تھا اور وہ اپنے آپ کو سچا پیغمبر سمجھتے تھے۔ باقی آپ کی پیغمبری کا مقصد تو خدائے واحد کی پرستش کا قائم کرنا تھا۔ بجائے اس بت پرستی کے جو آپ کے قبیلہ میں ابتداء سے قائم تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت اسماعیلؑ پر جب سارہ خفا ہوئیں اور اپنے گھر سے نکال دیا تو وہ عرب کو چلے آئے اور اپنے باپ ابراہیمؑ کے مذہب کو عرب میں شائع کیا۔ لیکن عرب میں اس مذہب کا اثر بالکل ایک خیال سا رہ گیا تھا، ................ کیوں کہ عرب میں ایسے لوگ نہ تھے جو یاد دلاتے رہتے کہ ابراہیمؑ کا خدا عالی رتبہ خدا ہے اور شرکت کو گوارا نہیں کرتا۔ بخلاف اس کے بنو اسرائیل میں ایسے لوگ ہمیشہ پیدا ہوتے رہے۔ بہرحال وہ اسماعیلی مذہب روز بروز زائل ہوتا گیا اور بجائے اس کے ان خداؤں کی پرستش قائم ہوتی گئی، جن کی پرستش اور قوموں میں ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ اسماعیلی مذہب بالکل فنا ہوگیا۔ اس کے بعض قبائل عرب میں جو شام کے ہمسایہ تھے، یہودیت کا عام رواج ہوا، لیکن عیسوی مذہب نے ان مقامات میں ظہور نہیں کیا۔ چنانچہ تیث نے جو چوتھی صدی عیسوی میں بصرہ کا بشپ تھا، خود اقرار کیا ہے کہ عرب کی خانہ بدوش زندگی عیسوی مذہب کو پھیلنے نہیں دیتی۔

عرب میں ساتویں صدی تک مذہب کی یہ حالت رہی۔ اس زمانہ کی نسبت

مصنفوں نے اپنے اپنے مذاق کے موافق خیالات ظاہر کئے ہیں اور جیسا کہ میرا اعتقاد ہے اسی بنا پر ان کے اقوال عرب اور اہل عرب کی حالت اور اعتبار کے متعلق باہم متناقض ہیں، مانسیو رنیان کا بیان ہے کہ تمدن کی تمام تاریخ میں عرب جاہلیت کے زمانہ سے زیادہ کوئی خوبصورت منظر نہیں ہے۔ اس کی یہ بھی رائے ہے کہ یہ قبائل یہودی یا عیسائی مذہب رکھتے تھے اور ایک عظیم الشان مذہبی اشتعال کے لئے تیار تھے۔ لیکن مانسیو بارتیلی سینٹ ہلیر کہتا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے کہ ان لوگوں میں ایک کامل تمدن پایا جاتا تھا تو وہ اس قسم کی اخلاقی تعلیم کے کیوں محتاج ہوتے۔ جس کے سننے سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں مثلاً:۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ۔

(نساء ۴ : ۲۳)

تم پر تمہاری مائیں حرام ہیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں۔

اس مصنف کی یہ رائے ہے کہ اہل عرب ایک وحشی قوم تھی اور ان کی حالت قریباً ویسی ہی تھی جیسی یہودیوں کی، اس زمانہ میں جب حضرت موسیٰؑ مبعوث ہوئے تھے اور اسی قسم کے احکام لائے تھے۔

ان دونوں رایوں میں میں کسی کے ترجیح دینے پر غور کرنا نہیں چاہتا، لیکن میری رائے ہے کہ دونوں میں افراط و تفریط ہے، عرب کی قوم پیغمبرؐ سے پہلے عموماً بت پرست تھی اور وحدانیت کا اعتقاد خال خال بعض طبیعتوں میں پیدا ہو چلا تھا، اس کے اعتقاد والے حنیفی کہلاتے تھے، جو ابراہیمی مذہب کے پیرو تھے، باقی عیسائی تو ان کے بہت کثرت سے فرقے تھے اور سب کے سب کسی خدا کے قائل تھے، پیغمبر نے حنفیوں کے مذہب کو ایک سطحی حالت میں پایا تھا، لیکن چونکہ ان کی فطرت مذہب سے لبریز تھی، اس لئے یہی خیال ان کے دل میں اعتقاد بن گیا اور ایسا اعتقاد کہ اس کی نظیر اس سے پہلے بہت کم پائی گئی تھی، یہ وہی مضبوط اعتقاد تھا جس نے انسانی نوع میں ایک

انقلاب عظیم پیدا کر دیا اور یہ بالکل غلطی ہے کہ ہم دین حنفی کے سوا اور کسی مذہب میں اس مذہب کے عمیم الفیض مبدء کی جستجو کریں۔ کیوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے لکھے نہ تھے۔ بلکہ جیسا کہ خود انھوں نے بار بار اقرار کیا ہے بالکل ان پڑھ تھے اور اس وصف میں ان کے معاصرین میں سے کسی نے ان سے معارضہ نہیں کیا اور یہ ظاہر ہے کہ بلاد مشرق میں یہ امر بالکل ناممکن ہے کہ کوئی شخص اس طرح علم حاصل کرے کہ کسی کو خبر نہ ہو، کیوں کہ مشرقیوں کی زندگی پردہ خفا میں نہیں رہتی۔ اس کے علاوہ اس زمانہ میں پڑھنا لکھنا ان ممالک میں بالکل معدوم تھا اور ایک شخص کے سوا جس کا ذکر ڈی تاسے نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۲ء میں کیا ہے، کوئی شخص مکہ میں پڑھا لکھا نہ تھا اسی طرح اس قرینہ کی بنا پر کہ حضرت خدیجہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجارت کے کام کے لئے انتخاب کیا تھا، یہ نتیجہ نکالنا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے لکھے نہ تھے تو وہ تجارت کا کام ان کو کیونکر سپرد کرتیں، صحیح نہیں، عرب اور غیر عرب قوموں میں عموماً تجار کے ہاں ان کے ایجنٹ اور نائب ان پڑھ ہوتے ہیں اور باوجود اس کے اوروں کی بہ نسبت زیادہ دیانت دار ہوتے ہیں۔

غرض بیانات سابقہ سے ظاہر ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کوئی آسمانی کتاب پڑھی تھی اور نہ مذہب کے متعلق مذاہب سابقہ سے رہنمائی حاصل کی تھی، اگرچہ الگزنڈر دویلن کا یہ بیان ہے کہ وہ عیسوی مذہب سے قرات اور کتابت دونوں طریقہ پر واقف تھے۔

بے شبہ ان ماخذوں کا پتہ لگانا جن سے یہ ثابت ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسوی یہودی یا ستارہ پرستوں کے عقائد کو زبانی سیکھا تھا، نہایت مفید ہوگا، کیونکہ قرآن اور توراۃ میں اکثر جگہ توافق پایا جاتا ہے، تاہم یہ بحث دوسرے درجہ کی بحث ہوگی، کیونکہ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ قرآن مجید دیگر کتب آسمانی سے ماخوذ ہے، تاہم یہ مشکل بحال خود باقی رہے گی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ مذہبی روح کہاں سے آئی اور وحدانیت کا ایسا مضبوط خیال کیوں کر دل میں آیا، جو ان

کے جسم روح پر چھا گیا، ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ اظہار نبوت سے پہلے ان پر بڑی سختیاں گذریں اور ان کو بہت سے مصائب جھیلنے پڑے، کیونکہ خدا نے ان کی فطرت ہی مذہب کے لئے بنائی تھی اور یہی وجہ تھی کہ سب کو چھوڑ کر انھوں نے عزلت اختیار کی تاکہ بت پرستی اور تعدد الٰہ کی بدعت میں مبتلا نہ ہونا پڑے، جس کو عیسائیوں نے خود ایجاد کیا تھا، ان دونوں مذہبوں کی نفرت ان کے دل میں بیٹھ گئی تھی، ان مذہبوں کا وجود کانٹے کی طرح ان کے دل میں کھٹکتا تھا، اس غرض سے کہ جو عظیم الشان تفکر یعنی وحدانیت کا خیال ان کے دل میں اتر گیا تھا محض اسی سے سروکار رکھیں، کوہ حراء میں گوشہ نشینی اختیار کی، یہاں بیٹھ کر ان کے خیال نے دریائے فکر میں نہایت آزادی کے ساتھ جولانیاں شروع کیں، اس کے ساتھ وہ ہمیشہ عبادت اور تہجد میں مشغول رہتے تھے، اسی حالت میں کئی دن گذر گئے، ان مقامات کی راتیں نہایت مفرح اور خوش گوار ہوتی ہیں، یہاں تک کہ عوام میں مشہور ہے کہ ملائکہ خدا سے اجازت مانگتے ہیں کہ آسمان سے اتر کر دو ایک دن ان راتوں کے سماں کا لطف اٹھائیں۔

اللہ اکبر! معلوم نہیں یہ چہل سالہ شدید الذہن جوان جس کا شمار مشرقی لوگوں میں ہے جو قوت ادراک اور حدت تخیل میں فرد ہیں اور جن کا یہ کام نہیں کہ منصوبے ہی گھڑا کریں، اس وقت کیا سوچ رہا تھا، وہ ہر بار یہی کہتا تھا اور برابر کہے جاتا تھا "خدا ایک ہے" یہ وہ الفاظ ہیں جن کو اس کے بعد تمام مسلمان ہمیشہ دہرایا کئے اور جن کو ہم عیسائیوں نے اس وجہ سے فراموش کر دیا کہ توحید کے خیال سے ہم بہت دور پڑ گئے ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال برابر اسی دُھن میں مشغول رہا، یہاں تک کہ یہی خیال مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہو کر ان کے سامنے آیا، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ (اخلاص ۱۱۲: ۳-۴) عربی زبان میں مترادف الفاظ کی کثرت نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بلند خیال کے بار بار ادا کرنے میں بہت مدد دی جن کو ظاہر کرنا چاہتے تھے اور انہیں افکار اور اسی طرز پرستش سے اسلام کا یہ جملہ پیدا

ہوا کہ لا الہ الا اللہ یہی اصلی اعتقاد ہے، اس یکتا خدائے بے نیاز کا جو عیوب سے پاک ہے۔ عقل کا اس اعتقاد کو خیال میں لانا بآسانی ممکن ہے۔ یہ ایک ایسا قوی عقادہ ہے، جس پر مسلمان ہمیشہ یقین کرتے آئے ہیں اور جس کی وجہ سے وہ تمام قبائل اور اقوام میں ممتاز ہیں۔ درحقیقت انہی کے ایمان کو ایمان کہا جا سکتا ہے، جیسا کہ ان کا خود دعویٰ بھی ہے۔ یہ بالکل ناممکن ہے کہ یہ اعتقاد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو توراۃ اور انجیل سے پہنچا ہو، کیونکہ وہ اگر ان کتابوں کو پڑھتے تو اٹھا کر پھینک دیتے، کیونکہ وہ دیکھتے کہ اس میں تثلیث موجود ہے، جو ان کی فطرت اور ان کے مذاق طبعی کے خلاف ہے۔ ایسے اعتقاد کا دفعۃً ان کی زبان سے ظاہر ہونا، ان کی زندگی کا بڑا مظہر ہے اور فی نفسہٖ یہی آپؐ کی پیغمبری اور آپؐ کی دیانت فی النبوت کی دلیل اعظم ہے۔

قرآن کی وحی کا مسئلہ اور بھی زیادہ مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہے، کیونکہ ارباب بحث اس کو معقول طور پر حل نہیں کر سکے۔ عقل بالکل حیرت زدہ ہے کہ اس قسم کا کلام اس شخص کی زبان سے کیوں کر ادا ہوا جو بالکل ان پڑھ تھا۔ تمام مشرق نے اقرار کیا ہے کہ یہ وہ کلام ہے کہ نوع انسانی لفظاً و معناً ہر اعتبار سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہ وہی کلام ہے کہ جب عتبہ بن ربیعہؓ نے اس کو سنا تو اس کے حسن پر حیرت زدہ رہ گیا۔ یہ وہی کلام ہے جس کی بلند انشاء پردازی نے عمر بن خطابؓ کو مطمئن کر دیا اور وہ خدا کے معترف ہو گئے۔ یہ وہی کلام ہے کہ جب یحییٰ کی ولادت کے متعلق اس کے جملے جعفرؓ بن ابی طالب نے نجاشی کے سامنے پڑھے تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بشپ چلا اٹھا کہ یہ کلام اسی سرچشمہ سے نکلا ہے، جس سے عیسیٰ کا کلام نکلا تھا۔